سورج کا سایہ ایک ذراع (دو فٹ کے قریب) ہو اس وقت نماز ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب انسان کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے۔ جب سورج، بلند، صاف اور چمکدار ہو اس وقت عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور اتنی دیر رہتا ہے جتنی دیر میں مسافر چھ یا نو میل مسافت طے کرلیں۔ مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد ہوتا ہے، عشاء کا وقت شفق چھپنے کے بعد تہائی رات تک رہتا ہے۔ جو شخص نماز عشاء ادا کرنے سے پہلے سو جائے خدا کرے ہمیشہ کے لئے اس کی آنکھیں نیند سے محروم رہیں، ہمیشہ کے لئے، ہمیشہ کے لئے! نماز فجر اس وقت پڑھی جائے جب ستارے روشن اور گھنے ہوں۔" (ازالۃ الخفاء ۳/۸۹)

۱۹۹۔ مکّہ کے گورنر نافع بن حارث خزاعی کے نام

نافع نے لکھا کہ چار آدمیوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو مشغولِ زنا دیکھا اور ان میں سے تین نے شہادت دی کہ مرد، عورت کے ساتھ سرمہ دانی میں سلائی کا سا عمل کر رہا تھا۔ لیکن چوتھے نے کہا میں نے یہ عمل نہیں دیکھا۔ گورنر نے خلیفہ سے رجوع کیا تو جواب آیا:۔

"اگر چوتھا گواہ اس عمل کی شہادت دے جس کی باقی تین نے دی ہے اور مرد و عورت شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کردو، اور اگر کنوارے ہوں تو حد لگاؤ، اور اگر چوتھا گواہ سرمہ دانی میں سلائی کے سے عمل کی گواہی نہ دے تو باقی تینوں کے حد قذف (جھوٹے الزام کی سزا) لگاؤ اور عورت کو چھوڑ دو۔" (نصب الرأیہ ۳/۳۴۴)

یہاں یہ بتا دینا برمحل ہوگا کہ خود رسول اللہ نے سنگینئ سزا کو نظر میں رکھ کر یہ ضروری قرار دیا تھا کہ چاروں گواہ صاف صاف سرمہ دانی اور سلائی کے عمل کی شہادت دیں۔

۲۰۰- سُفیان بن وہب کے نام

طائف کے حاکم (؟) سُفیان بن وہب نے حضرت عمر کو لکھا کہ طائف کی وادی سَلبہ میں ایک شخص نے شہد کے بہت سے چھتے لگائے ہیں، وہ رسول اللہ کو ان کا دسواں حصہ بطور محصول دیتا تھا جس کے عوض آنحضرت نے اس وادی کو سرکاری حفاظت میں لے لیا تھا، آیا آپ کے عہد میں بھی اس کو سرکاری حفاظت میں رکھا جائے؟ حضرت عمر نے جواب دیا:-

"اگر وہ شخص دسواں حصہ جو رسول اللہ کو دیتا تھا ادا کرتا رہے تو اس کی وادی کی حفاظت حکومت کی طرف سے کی جائے اور اگر وہ دسواں حصہ ادا کرنے کو تیار نہ ہو تو وادی کی حفاظت نہ کی جائے۔ شہد مکھیوں کی محنت کا ثمرہ ہے کسی انسان کی محنت کا نہیں، جو چاہے اس کو کھا سکتا ہے۔"

(ازالۃ الخفار ۲/۱۰۱)

غلامانِ اسلام

تالیف مولانا سعید احمد صاحب ایم اے رفیق ندوۃ المصنفین

اسّی کے قریب ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور ارباب کشف و کرامات اور اصحابِ علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تلاش سے جمع کئے گئے ہیں جنھوں نے غلام یا آزاد غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمات انجام دیں جنھیں اسلامی سوسائٹی میں عظمت کی کرسی پر بٹھایا گیا اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارنامے اس قدر شاندار اور روشن ہیں کہ اُن کی غلامی پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ، دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی صفحات ۴۰۸، بڑی تقطیع قیمت صہ مجلد ۶ؔ

منیجر:- مکتبہ برہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی

مسئلہ تملیک فی الزکوٰۃ

از

جناب مرزا محمد یوسف صاحب
اُستاذ عربی مدرسہ عالیہ رام پور (یوپی)

دلائل کی تنقیح

(۵)

پانچویں دلیل کی تنقیح تملیک کے رکنِ زکوٰۃ ہونے کی پانچویں دلیل آیہ کریمہ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" الآیہ کا "اِنّما" کے ساتھ افتتاح ہے جو کلمہ حصر و قصر ہے مگر اصلاحی صاحب نے جس خصوصیت کے ساتھ "للفقراء" کے لام کو اپنی تدقیقات کا تختۂ مشق بنایا ہے غالباً اُس سے زیادہ، کلمہ اِنّما کے ساتھ تجاہلِ عارفانہ برتنے میں اہتمام کیا ہے لیکن اگر وہ اس کے مقتضٰی کے ساتھ کما حقہ اعتنار روا رکھتے تو شاید انھیں اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوتی کہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک متصدق علیہم واجب ہے۔ مگر معنی متبادر اور مسوق لہٗ کے مقابلے میں معنی غیر مسوق لہٗ کے ساقط الاعتبار ثابت کرنے میں وہ اس درجہ منہمک رہے کہ کشاف کے مطالعہ کے بعد بھی وہ اس نکتے تک نہ پہنچے۔ اپنے انہماک میں وہ کشاف کی اس عبارت سے بھی کہ

"قصر لجنس الصدقات علی الاصناف المودودۃ وانہا مختصۃ بہا لا تتجاوزہا الی غیرہا کانہ قیل

انما ھی لھم لا لغیرھم

ونحوہ قولک انما الخلافۃ لقریش ترید لا تتعداھم ولا تکون لغیرھم"

وہ صرف اتنا ہی نتیجہ نکال سکے کہ

"پس لام یہاں جس چیز کو ظاہر کر رہا ہے وہ صرف خیرات و صدقات کا مذکورہ اصناف کے لئے خاص ہونا ظاہر کر رہا ہے۔ نہ تملیک سے اس کو تعلق ہے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ترجمان القرآن جلد ۴۴ عدد ۶)

اس استنتاج کی توقع کم از کم اصلاحی صاحب جیسے ادیب سے نہیں کی جا سکتی تھی لام کے کم و بیش بائیس ۲۲ معانی ہیں لیکن "قصر" سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح قصر کی حقیقت محض کسی چیز کا کسی چیز کے لئے خاص ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک معمولی طالب علم بھی جس نے معانی و بیان کی کتبِ متداولہ کو پڑھا ہے اِن چیزوں کو جانتا ہے۔ تعجب ہے اصلاحی صاحب کے قلم سے

"قصر الجنس الصدقات علی الاصناف المعدودۃ ۔ ۔ ۔ ۔" الخ

کی وضاحت میں یہ جملہ کس طرح نکلا کہ لام صدقات کا مذکورہ اصناف کے لئے خاص ہونا ظاہر کر رہا ہے اور یہ کہ تملیک کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اتمام الدرایۃ للسیوطی اور مختصر المعانی (شرح تلخیص المفتاح) للتفتازانی میں قصر کی حقیقت بدیں طور مرقوم ہے

"القصر تخصیص شیئ بشیئ بطریق مخصوص"

اس تعریف سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ محض تخصیص شیئ بالشیئ (کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے لئے مخصوص کرنا) ہی قصر نہیں ہے بلکہ جب یہ تخصیص ایک مخصوص طریقہ پر ہوتی ہے تب جا کر کہیں قصر کی حقیقت مکمل ہوا کرتی ہے مثلاً "المنبر للخطیب" میں خطیب کے واسطے منبر کی تخصیص ہے مگر یہ "قصر" نہیں ہے۔ اسی طرح قصر کا مصداق صرف اُسی تخصیص تک محدود نہیں ہے جو مثلاً "ان الحکم الا للہ" سے مستفاد ہوتی ہے بلکہ وہ لام اختصاص والی تخصیص کے علاوہ اور تخصیصات کو بھی شامل ہے چنانچہ السکاکی نے مفتاح العلوم میں لکھا ہے

"اعلم ان القصر کما یجری بین المبتداء والخبر فیقصر المبتداء تارۃ علی الخبر، والخبر علی المبتداء اخری، یجری بین الفعل والفاعل۔ وبین الفاعل والمفعول وبین

المفعولين وبين الحال وذی الحال وبين كل طرفين" (مفتاح العلوم للسکاکی ص۱۲۵)۔

غرض قصر میں اور اس تخصیص میں جو "المنبر للخطیب" نیز "ان الحکم الا للّٰہ" اور "انما الصدقات للفقراء" سے مستفاد ہوتی ہے زمین آسمان کا فرق ہے دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے چنانچہ کبھی قصر اور اس قسم کی تخصیص کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے جیسے "ان الحکم الا للّٰہ" اور "انما الصدقات للفقراء" کبھی تخصیص ہوتی ہے مگر قصر نہیں ہوتا جیسے "المنبر للخطیب" اور "الفرس للراکب" میں تخصیص ہے مگر قصر نہیں ہے۔ اور کبھی قصر ہوتا ہے مگر اس قسم کی تخصیص نہیں ہوتی مثلاً "انما انا بشر مثلکم" اور "وما علینا الا البلاغ المبین" میں قصر ہے مگر لام اختصاص والی تخصیص نہیں ہے۔

بہر حال طُرق اربعہ معروفہ کے بغیر قصر نہیں ہوا کرتا۔ تعجب ہے پھر کس طرح اصلاحی صاحب نے زمخشری کے قول "قصر لجنس الصدقات" کا مطلب محض "صدقات" کا مذکورہ اصناف کے لئے خاص ہونا بتایا۔ اور اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ غریب لام کو دخل در معقولات کے لئے انھوں نے اس قصر کی بحث میں کیوں لا گھسیٹا کیوں کہ لام کے کتنے ہی معانی کیوں نہ ہوں اور اُن میں سے یہاں پر کوئی معنی کیوں نہ مقصود ہو، کم از کم اتنی بات ثابت و متحقق ہے کہ لام قصر کا فائدہ کبھی نہیں دیا کرتا۔

اور سب سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ "انما" کو اس بے دردی سے نظر انداز کیا ہے گویا کہ نظمِ کلام میں وہ کوئی مدِ فاضل ہے حالانکہ افادۂ قصر کی اصل وہی ہے اس لئے کہ قصر کے طُرقِ اربعہ جیسا کہ سکاکی نے مفتاح العلوم میں لکھا ہے حسب ذیل ہیں۔

"وللقصر طرق اربعة احدها طريق العطف كما تقول ...... زيد شاعر لا منجم ثانيها النفي والاستثناء كما تقول ..... وما محمد الا رسول ...... وثالثها استعمال انما ..... والسبب في افادة انما معنى القصر هو تضمينه معنى ما والا ولذالك تسمع المفسرين لقوله تعالى انما حرم عليكم الميتة والدم بالنصب

یقولون معناہ ما حرم علیکم الا المیتۃ والدم ..... ورائیھا التقدیم ....

.. تمیمی انا ــ" (مفتاح العلوم للسکاکی ص ۱۲۵ ــ ۱۲۷)

یہ قصر کے طُرقِ اربعہ ہیں اور قارئین کرام نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس فہرست میں لامؔ کا کہیں مذکور نہیں ہے۔ تعجب ہے پھر کس طرح اصلاحی صاحب نے "قصر لجنس الصدقات" سے یہ معنی نکال لئے کہ" لامؔ یہاں جس چیز کو ظاہر کر رہا ہے وہ صرف خیرات و صدقات کا مذکورہ اصناف کے لئے خاص ہونا ظاہر کر رہا ہے۔"

غرض کلمہ انّما قصر کے لئے آتا ہے اور "قصر" "تخصیص الشیئ بالشیئ" سے کچھ زیادہ ہے۔ وہ منطق کا قضیہ مقصورہ (exclusive Proposition.) ہے۔ اور قضیہ مقصورہ دو بسیط قضیوں کے حکم میں ہوا کرتا ہے ایک موجبہ (Affirmative.) دوسرا سالبیہ (negative.) مثلاً "صرف مومن ہی جنّتی ہیں" یہ جملہ دو جملوں کے برابر ہے یعنی "تمام مومن جنّتی ہیں" اور "کوئی غیر مومن جنتی نہیں ہے" یا "ان الحکم الا للّٰہ" دو جملوں کے برابر ہے "تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہیں" اور "غیر اللہ کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔"

پس آیۂ کریمہ میں قصر کی وجہ کلمہ انّما کا استعمال ہے جس کی وجہ سے جنس صدقات صرف اصناف محدودہ پر مقصور ہے اور اس "قصر صدقات علی الفقراء" کا مطلب اصول محررہ بالا کی رو سے حسب ذیل دو جملوں میں ہوگا۔

(i) تمام صدقات (زکوٰۃ) فقراء کے واسطے ہیں۔ اور

(ii) غیر فقراء کے واسطے صدقات (زکوٰۃ) میں سے کچھ نہیں ہے۔

اور یہی دو جملے زمخشری نے لکھے ہیں

(i) "انھا مختصۃ بھا" (الاصناف الثمانیۃ)

(ii) "لا تتجاوزھا الی غیرھا" (غیر الاصناف الثمانیۃ)

اور مزید تشریح صاحب کشاف نے بدیں طور فرما دی کہ

(۱) انما ھی (الصدقات) لھم "(المتصدقین علیھم)"

(۲) "لا لغیرھم (لغیر المتصدقین علیھم)"

یعنی "یہ چیز (صدقات) انھیں (اصناف ثمانیہ) کے لئے ہے ان کے ماسوا لوگوں کے لئے نہیں ہے"[1]

یہ ترجمہ خود اصلاحی صاحب ہی کا ہے اور کشاف کا محررہ بالا اقتباس بھی انھوں نے اپنے حسب منشاء پیش کیا ہے لہذا میں اس "لئے" "لام للفقراء" کا مفہوم بھی اتماماً للحجۃ وہی لے لیتا ہوں جو انھوں نے اختیار کیا ہے یعنی "اختصاص انتفاع" جیسا کہ انھوں نے خود فرمایا ہے

"میرے نزدیک یہاں لام یا تو استحقاق و اختصاص کے مفہوم کے لئے ہے یا انتفاع و افادہ کے مفہوم کے لئے"[2]

لہذا خود اصلاحی صاحب کے حسب توجیہ آیت کریمہ کا منشاء یہ ہوا کہ

"صرف یہی اصناف ثمانیہ صدقاتِ زکوٰۃ سے انتفاع کا استحقاق و اختصاص رکھتے ہیں نہ کہ ان کے غیر" اور یہی ملکیت کا مفہوم ہے (بلکہ غالباً اس سے بھی قدرے کم) چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ملک کے جو معنی بتائے ہیں وہ یہی ہیں،

"ومعنی الملک فی حق الآدمی کونہ احق بھا بالانتفاع من غیرہ"[3]

اور یہی جدید قانون کا موقف ہے چنانچہ پالک نے ملکیت کی جو تعریف کی ہے وہ اس پر کم وبیش صادق آتی ہے۔ اس تعریف کی مزید توضیح پالک آگے لکھتا ہے

"مالک وہی شخص سمجھا جائے گا جسے تمتع وانتقال کا باقی حق ملا ہو"[4]

اسی طرح سامنڈ اپنے اصولِ قانون میں کہتا ہے

"شئ مادی کے مالک سے مراد وہ شخص ہے جو کسی حق کے عام تمتع وتصرف کے حق کا مالک ہو یا ان تصرفات کا مالک ہو جو دوسرے تمام مخصوص اور محدود حقوقِ تصرف وتمتع کے وضع ہونے کے

---

۱ ترجمان القرآن جلد ۴۴ عدد ۶ صفحہ ۱۰ ۲ ایضاً صفحہ ۱۰ ۳ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم باب ابتغاء الرزق صفحہ ۱۰۷ ۴ اصول قانون سامنڈ جلد دوم صفحہ ۳۰ حاشیہ

بعد جو غیروں کو بطور بار و مواخذہ حاصل ہوں، باقی رہ گئے ہوں ؎

لیکن پالکن اور سامنڈ کے حوالے تو میں نے صرف اس لئے دیئے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسلام کا تصورِ ملکیت (انسانی) ایسا اور ویسا ہے۔ اس اسلامی تصورِ ملکیت کی معقولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی عقل جب صحیح طور پر کسی بات کو سوچتی ہے تو وہیں جاکر ٹھہرتی ہے جہاں اسلام صدیوں پہلے پہنچ چکا ہے۔

مگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حیثیت دوسری ہے۔ منکرینِ اسلام میں وہ ایک خصوصی اہمیت کے مالک ہیں۔ باایں ہمہ جلالتِ قدر و علوِ مرتبہ میں اُن کی کورانہ تقلید کی دعوت نہیں دیتا، بالخصوص ایسی منزل میں جہاں اکابر فقہائے متقدمین کی تصریحات مبحوث عنہا ہوں جہاں اور تو اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی کے اجتہادات معرضِ تغلیط و تحمیق میں ہوں وہاں شاہ صاحب بے چارے کہاں۔

اس لئے اسلام کا تصورِ ملکیت اُس کے اصولِ اولیہ (کتاب و سنت) ہی سے مستنبط ہونا چاہئے:۔

اسلام کا اصل الاصول توحید ربوبیت ہے جس کا منشا یہ ہے کہ کائنات دمافیہا کا خالق ومالک صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ وہی رب السمٰوٰت والارض ہے اور اُسی کو اس کی ملک حاصل ہے۔

قرآن کہتا ہے وہی رب العالمین ہے

"ھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین" (غافر ۶۵)

"فللہ الحمد رب السمٰوٰت ورب الارض رب العالمین" (جاثیہ ۳۶)

"قل من رب السمٰوٰت والارض قل اللہ" (رعد ۱۶)

"ان الٰھکم لواحد۔ رب السمٰوٰت والارض وما بینھما ورب المشارق" (صافات ۴-۵)

ارض و سما اسی کی ملک ہیں۔

"وللہ ملک السمٰوٰت والارض، واللہ علیٰ کل شیئ قدیر" (آل عمران ۱۸۹)

"للہ ملک السمٰوٰت والارض وما فیھن وھو علیٰ کل شیئ قدیر" (مائدہ ۱۲۰)

؎ اصول قانون سامنڈ جلد دوم ص۲ حاشیہ

وہی مالک الملک ہے۔

"قل اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء" (آل عمران ۲۶)

"ذالکم اللہ ربکم لہ الملک لا الٰہ الا ھو فانّی تصرفون" (زمر ۶)

"ولم یکن لہ شریک فی الملک" (بنی اسرائیل ۱۱)

جو کچھ کائنات میں ہے بس اُسی کا ہے

"وللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" (نساء ۱۳)

"قل لمن ما فی السمٰوٰت والارض، قل للہ" (انعام ۱۲)

مگر اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے انسان کو خلق کیا تاکہ

"کنت کنزاً مخفیا فاحببت اَن اعرف فخلقت الخلق"

کی حقیقت متحقق ہو، چنانچہ قرآن کہتا ہے

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (ذاریات ۵۶)

اس لئے اس نے انسان کو پیدا کیا اور کائنات وما فیہا کی گوناگوں نعمتیں اُس کے فائدے کے لئے خلق فرمائیں۔ قرآن کہتا ہے

"ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" (بقرہ ۲۹)

لہٰذا ملک حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ انسان کو صرف اُس کا بخشا ہوا حق انتفاع و تمتع ہے یا آج کل کی اصطلاح میں (جس کی تدقیق بوسانکے (Bosanquet) نے کی ہے) کائنات وما فیہا کی ملکِ اقتدار (Property for Power) کا حق اللہ تبارک و تعالیٰ کو ہے اور ملکِ انتفاع (Property for use) کا استحقاق انسان کو ہے۔ کیوں کہ ملک حقیقی (ملکِ اقتدار) کا مفہوم دوئی کا احتمال نہیں رکھتا چنانچہ قرآن کہتا ہے

"لو کان فیھما الٰھۃ الا اللہ لفسدتا"

اس لئے لامحالہ اگر توحید ربوبیت کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے کے نظم و انضباط

کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت داعی ہو جو لادینی نظاموں کے "نظم ملکیت"۔ (Nationalisation of Property) کے مشابہ ہو تو ملکیت کی تدقیق اسی طور پر کرنا ہوگی کہ ملک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ہے اور ملک مجازی انسان کی یا ملک اقتدار خدائے تعالیٰ کی ہے لیکن ملک انتفاع انسان کی ہے۔ اسی چیز کو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بوسانکے (Bosanquet) سے دو سو سال قبل فرمایا تھا:۔

"اعلم ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق وجعل معایشھم فی الارض واباح لھم الانتفاع بما فیھا، وقعت بینھم المشاحۃ والمشاجرۃ فکان حکم اللہ عند ذالک تحریم ان یزاحم الانسان صاحبہ فیما اختص بہ بسبق یدہ الیہ او ید مورثہ او بوجہ من الوجوہ المعتبرۃ عندھم ..... اقول الاصل فیھا ما اومأنا ان الکل مال اللہ لیس فیہ حق لاحد فی الحقیقۃ۔ لکن اللہ تعالیٰ اباح لھم الانتفاع بالارض وما فیھا وقعت المشاحۃ فکان الحکم حینئذ ان لا یسبق احد مما سبق الیہ من غیر مصادرۃ .....

ومعنی الملک فی حق الآدمی کونہ احق بالانتفاع من غیرہ"

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب ابتغاء الرزق ص ۱۰۲)

لہٰذا اگر اتمام حجت کے لئے لام للفقراء کے معنی استحقاق و اختصاص یا انتفاع و افادے کے بھی لئے جائیں تو بوجہ اس امر کے کہ کلمہ انما کے افادۂ حصر و قصر کی بنا پر یہ استحقاق و اختصاص یا انتفاع و افادہ صرف فقراء و مساکین و دیگر اصنافِ معدودہ فی الآیۃ کے واسطے ثابت ہے اور ان کے غیر کے لئے نہیں، اور اصنافِ معدودہ، غیر کے مقابلے میں اموالِ زکوٰۃ کے واحد حقدار ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصریح کے مطابق یہ فقراء و مساکین و غیرہم مال زکوٰۃ کے مالک قرار پاتے ہیں اور چوں کہ مال زکوٰۃ ادائے زکوٰۃ سے قبل زکوٰۃ دہندہ کی ملک تھا اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ یہ ملک منتقل ہو کر فقراء و مساکین و دیگر مستحقین کی جانب جا رہی ہے تو اس طرح ادائے زکوٰۃ

تملیکِ فقیر کو متضمن ہے۔ البتہ اگر اس انتقالِ ملک کی اور کوئی شکل ہو سکتی ہو تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے، مگر کسی نہج سے دیکھئے انتقالِ ملک کی اور کوئی شکل متصور نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تملیکِ فقیر ادائے زکوٰۃ کی حقیقت ٹھہری اور یہی فقہاء سابقین و مابعد کا متفق علیہ ہے کہ

"التملیک وھو الرکن"

رہی تملیکِ میں تملیک شخصی و تملیکِ اجتماعی کی تدقیق، سو وہ بیش از سفسطہ محض نہیں ہے۔ اس لئے کہ تملیکِ اجتماعی سے آخر مراد کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ ع

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

پھر "تملیک اجتماعی" کے مفہوم کی تعبیر "غریبوں کی فلاح و بہبود کے کام" سے کرنا خوش فہمی و ابلہ فریبی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیوں کہ

اولاً "غریبوں کی فلاح و بہبود کے کام" "رفاہِ عامہ کے کام" "اجتماعی نوعیت کے کام" میں سے ہر ایک نعرہ ایک سنہرا فریب ہے جس کے ذریعے قدیم زمانے کی شہنشاہیتوں سے لے کر عہدِ حاضر کی مزدور آمریتوں تک برسر اقتدار طبقہ محنت کش عوام کو لوٹتا رہا ہے لیکن قدیم غیر ذمہ دار استبدادی حکومتوں کی کمزوری یہ تھی کہ وہ ہمیشہ اس معاشی دستبرد کو ان دل کش و دل فریب عنوانوں کا پردہ نہیں اُڑھاتی تھیں مگر عہدِ حاضر کی ذمہ دار جمہوریتوں میں مُترفین و اہلِ دول کی عیش کوشیوں کے لئے جب روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو محنت کش عوام کی کمائی، اجتماعی فلاح و بہبود اور رفاہِ عامہ کے کاموں کی تعمیر کے نام سے لوٹی جاتی ہے لیکن یہ اسلام ہی کا احسان تھا کہ اُس نے دکھی انسانیت کو ان جسمانی و مادّی پابندیوں سے نجات دلائی چنانچہ قرآن پیغمبرِ اسلام کی شان میں کہتا ہے

"ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" (اعراف ۱۵۷)

اور جناب نبی کریم نے اہلِ عرب کو خوشخبری سنائی

"یا معشر العرب احمدوا اللہ اذ رفع عنکم العشور"

اے گروہ عرب اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تم پر سے دہگی محصول کو اُٹھا دیا۔

(طحاوی: معانی الآثار جلد اول)

اس کے برعکس اسلام نے معاشرہ کی معاشی تنظیم کے لئے یہ انتظام کیا کہ تونگروں کی آمدنی کا ایک حصہ فقراء و مساکین کی ملکیت قرار دیا لیکن اس میں بھی عہدِ حاضر کی وصولیٔ ٹیکس کی پالیسی کی تقلید نہیں کی جس میں نام کے لئے تو کبھی کبھی اہلِ دول کی آمدنی سے روپیہ میں سے ۱۵ر انکم ٹیکس کے نام سے لے لئے جاتے ہیں مگر یہ ساری رقم "قومی دفاع" 'اجتماعی فلاح و بہبود' اور 'رفاہِ عامہ کے کام' کے نام سے صرف طبقہ امراء و اہلِ دول کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے میں خرچ کی جاتی ہے۔ اسلام اغنیاء سے اُن کی آمدنی کا صرف چالیسواں حصہ لیتا ہے مگر وہ سب کا سب فقراء کی ملکیت قرار دیتا ہے جیسا کہ حدیث معاذ بن جبلؓ میں مذکور ہو چکا ہے

"توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم"

اور چوں کہ غریبوں کی اجتماعی فلاح و بہبود اور اجتماعی تملیک وغیرہ کے دل خوش کن ناموں میں تغلبِ بیجا اور گول مال کی بہت زیادہ گنجائش ہے لہذا وہ اس فطری اصول کو ملحوظ رکھتا ہے کہ "ہر شخص اپنی فلاح و بہبود کو خود ہی بہتر سمجھتا ہے" لہذا وہ فقراء اور صرف فقراء کو اُن کا حصہ پہنچا دینے کا مطالبہ کرتا ہے اس کے بعد فقراء جانیں اور اُن کا کام۔

ثانیاً:۔ اس نام نہاد "غریبوں کی فلاح و بہبود کے کام" میں تملیک اجتماعی کے اجراء کی کیا شکل ہے۔ اس کا جواب بالتصریح تو منکرینِ تملیک نے نہیں دیا مگر اصلاحی صاحب نے اس باب میں جو ایک اچھا خاصہ وعظ فرما دیا ہے اُس کا ماحصل (اگر میں زیادہ غلطی نہیں کرتا) یہ ہے کہ

"زکوٰۃ کی رقم سے غرباء کی اجتماعی خدمت و بہبود کے چھوٹے بڑے کام کئے جائیں"

لیکن اجمالی طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ "اِس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان رفاہِ عامہ کے کاموں کا نفع صرف غرباء تک محدود رہے گا اور غیر غرباء کو اس سے مستفید ہونے اور بعد میں چھا جانے کا موقعہ نہ ملے گا" جیسا کہ آیت کے قصر و حصر سے مستفاد ہوتا ہے۔

اب ذرا تفصیلی طور پر "نیکی اور خدمتِ خلق" کے اُن کاموں پر نظر ڈال لیجئے جن کا اصلاحی صاحب نے حوالہ دیا ہے۔

(i) غریبوں کے محلے میں مسجد بنانا۔

(ii) اُن کے لئے تعلیم دین کا کوئی ادارہ کھولنا۔

(iii) اُن کی ذہنی و فکری تربیت کے لئے کوئی اسلامی لائبریری قائم کرنا۔

(iv) اُن کے مریضوں کے مفت علاج کے لئے کوئی شفاخانہ بنانا۔

(v) غریبوں کے کسی محلے میں اگر کنواں نہیں ہے تو اُن کے پانی پینے کے لئے کنواں بنوانا۔

(vi) مسافروں کے لئے سرائے یا تالاب بنوانا۔

(vii) کسی غریب کی لاش ٹھکانے لگانے کا انتظام کرنا۔

(viii) کسی مردہ غریب کا قرضہ ادا کرنا۔

(ix) کسی غلام کو خرید کر آزاد کرنا۔

(x) وصولیٔ زکوٰۃ کے مصارف پر اسی کا ایک جز خرچ کرنا۔

لیکن ان کارہائے خیر میں سے کسی مد میں کیوں نہ زکوٰۃ کو صرف کیا جائے اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ تنہا فی صدی غریبوں ہی کے مفاد سے متعلق رہے گا اور غیر غربا، یہاں تک کہ زکوٰۃ دہندگاں بھی اُس سے شعوری یا غیر شعوری طور پر مستفید نہ ہوں گے۔ مثلاً

(i) آپ مسجد بنوائیے لیکن کیا دروازۂ مسجد پر جلی حروف میں کندہ ہوگا کہ یہ صرف غریبوں کی مسجد ہے امیر اس میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اگر اگر کندہ ہو بھی تو اس پر عمل درآمد کرانے کا کیا انتظام ہوگا مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ آپ غریب ہیں یا امیر اور اگر وہ کہہ دے کہ امیر تو اس سے کہہ دیا جائے گا کہ حضور! یہ تو غریبوں کی مسجد ہے، امیروں کی مسجد سول لائن میں ہے۔ فقہی حیثیت سے قطع نظر یہ تجویز جذباتی ہے حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔

(ii) یہی حال تعلیم دین کے ادارے کا ہے کیا جنوبی افریقہ کے اسکولوں کی طرح اُس پر لکھ دیا جائے گا کہ "یہ فقیروں بھکاریوں کا مدرسہ ہے" اگر ایسا کیا جائے تو سب سے پہلے تو طلبہ علو نفس و خودداری سے ہاتھ دھولیں جو تعلیم کا مقصدِ جلیل ہے۔ پھر اگر کوئی فقیر طالب علم غنی ہو جائے تو اس کو

مدرسہ سے اس جرم میں نکال دیا جائے گا کہ وہ اب فقیر نہیں رہا۔

لیکن اگر یہ التزام نہ کیا گیا تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اُس مدرسے سے صرف غربا ہی مستفید ہوں گے غیر غربا نہیں۔ اور جب غیر غربا بھی اس سے مستفید ہوں گے تو تجربہ بتاتا ہے کہ متمول طبقہ ہی اُس پر چھا جائے گا۔ انگلستان کے ایٹن (Eton) کے اسکول کی مثال ہمارے سامنے ہے یہ کسی زمانہ میں غربا ہی کے لئے بنا تھا اور اس میں غربا ہی تعلیم پاتے تھے لیکن مدرسین نے ایسی جانفشانی کے ساتھ کام کیا کہ یہاں کے فارغ التحصیل چمکنے لگے تو امرا نے بھی اپنے بچوں کو اس میں بھیجنا شروع کیا اور اب تو یہ کیفیت ہے کہ معمولی امرا بھی اپنے بچوں کو اس میں تعلیم نہیں دلوا سکتے صرف شاہزادوں اور اونچے درجہ کے امرا ہی کے لئے وہ وقف ہے۔

پھر مدارس کی افادیت کی ایک اور جہت بھی ہے وہ چند مدرسین کی روزی کا بھی سہارا ہوتے ہیں جب تک وہ مدرسین اہلِ نصاب نہیں ہیں اُس وقت تک تو اُن کا اِس سے تمتع و انتفاع مناسب ہے لیکن اگر کسی مدرس کی بیوی کفایت شعاری سے کام لے یا وہ خارجی طور پر اتنا سرمایہ حاصل کر لے کہ صاحبِ نصاب ہو جائے تو کیا اس مدرس کو محض اس جرم میں نکال دیا جائے گا کہ اب وہ فقیر نہیں رہا حالاں کہ وہ کتنا ہی متقی، دیانت دار، فرض شناس اور علامۂ وقت کیوں نہ ہو۔

(iii) یہی حال اسلامی لائبریری کا ہے کیا وہ جنوبی افریقہ کی "نیگرو لائبریری" بنا دی جائے گی اور غیر غریب کو اس میں داخل ہو کر اپنی ذہنی و فکری تربیت کی اجازت نہ ہو گی۔ کم از کم اسلام علم کی اشاعت کے باب میں اتنا بخیل و ضنین تو نہیں ہے۔

(iv) یہی حال شفاخانہ کا ہے۔ یہاں بھی دو صورتیں ہیں یا تو غیر غریب بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے اور اگر ایک مرتبہ غیر غربا کو یہ موقعہ ملا تو تجربہ بتاتا ہے اور انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ فقراء کے مقابلے میں سفید پوشوں کو ترجیح دی جائے گی اور کچھ ہی دنوں میں یہ غریبوں کا شفاخانہ امیروں کا شفاخانہ بن جائے گا اور اگر غیر غربا غریبوں کے شفاخانہ کے تجربہ کار اور حاذق معالجین کے علاج سے محروم کر دئے گئے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہو گا کہ محض ایک اصول کی مراعاۃ کی خاطر ایک انسانی جان کے ساتھ

بے اعتنائی برتی جائے کیا یہی اسلام ہے۔ "رحمۃ للعالمین"!

لیکن اصل فساد کی جڑ اس تجویز میں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے "اُن کے مفت علاج کے لئے شفاخانہ بنایا جائے"۔

پھر مدرسہ کی طرح شفاخانہ کی بھی ایک جہت اور ہے کہ وہ چند ڈاکٹروں اور دوسرے اہلِ عملہ کے روزگار کا سہارا ہے پس اگر ایک ڈاکٹر یا اور کوئی ملازم شفاخانہ کسی صورت سے صاحبِ نصاب ہو جائے تو کیا صرف اس جرم میں اُسے نکال کر غریب مرضیٰ کو اُن کے علاج کی نعمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

(۷) غریبوں کے نام سے کنواں بنوانے میں بھی یہی سوال ہے۔ کوئی مشینری ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ غیر غربا کو اس کنویں سے پانی لینے کی ممانعت کی جا سکے اور اگر بالفرض ممانعت کی بھی جائے تو اس حدیثِ نبوی کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تین چیزوں میں سب لوگ برابر کے حق دار ہیں جن میں سے ایک پانی بھی ہے۔

(ز۷) مسافروں کے لئے سرائے یا تالاب بنوانے کا بھی یہی سوال ہے۔ تالاب کا معاملہ تو بالکل کنویں جیسا ہے۔ سرائے میں دوسرے اداروں کی طرح امیر و غریب کی تفریق عملاً و عادۃً ناممکن ہے۔

(زز۷) "کسی غریب کی لاش ٹھکانے لگانے کا انتظام اصلاحی صاحب کا صحافیانہ فنکاری کا شاہکار (Master of showmanship) ہے فقہائے احناف کی قساوتِ قلبی تو ملاحظہ کیجئے کہ ایک غریب کی لاش پڑی ہوئی ہے اور کفن دفن کے لئے وہ اہل دول کو چندہ دینے سے منع کرتے ہیں"۔ مگر یہ جذباتی اپیل ہے کاش وہ ایک علمی بحث میں جذبات کو برانگیختہ کرنے والے [illegible] استعمال نہ فرماتے۔ سوال محض اتنا نہیں ہے کہ

"وہ غریب مرجانے کے سبب سے اس قابل تو رہا نہیں کہ اس مال کو اپنے قبضہ میں لے کر اپنے کفن اور دوسرے سامانِ تجہیز و تدفین کا انتظام کر سکے اور تملیکِ فقیر کی شرط جو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رکن کی حیثیت رکھتی ہے پوری ہو سکے"۔